عشق رسالت مآبؐ، اخلاق اور علامہ اقبال

ڈاکٹر علی محمد بھٹ

عشق محبت کی ارفع ترین کیفیت کا دوسرا نام ہے اس سے انسان کے اندر محبوب کی لافانی حقیقت سما جاتی ہے البتہ محبوب کا ہر طرزِ عمل جب اخلاقیات، پاکیزگی اور حقیقت پسندی پر مبنی ہو تو عاشق بھی پاکیزگی کے کیف سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اخلاق جب والہانہ ہو تو اس سے پیدا ہونے والی بے خودی سے فرد ہی نہیں بلکہ قومیں معراج پاتی ہیں۔ اس لیے لفظ اخلاق کو جاننا ضروری ہے اس کا اصلی منبع کیا ہے، عاشقانہ زندگی کے ساتھ اس کا کیا تعلق اور حقیقی زندگی سے اس کا کیا واسطہ ہے۔

اخلاقیات کا یونانی لفظ ایتھاس سے گہرا تعلق بیان کیا گیا ہے جس کا معنٰی عادی یا مروجہ طرزِ عمل کے ہیں۔ اخلاقیات معیارات اور اصولوں کے نظام کو کہا جاتا ہے۔ لغت کے لحاظ سے اس کو انسانی کردار میں اچھائی اور بھلائی کی سائنس سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ نیکیوں اور اچھائیوں کے ایسے اصولوں پر مشتمل نظام ہے جو کسی فرد کے مناسب اور موزوں کردار کی تشکیل میں معاون ہوتا ہے۔ اخلاقیات انسانی قدروں کا معیار ہوتا ہے جس سے انسان کی اہمیت، صداقت اور اصلیت کے اسرار کھل جاتے ہیں ایسی شخصیت مجموعی طور پر نیکی اور پاکبازی کا وہ آئینہ ہوتا ہے جو دوسروں کو اپنے گردو پیش میں ضم کر دیتا ہے۔ اس طرح کی طرزِ زندگی عاشقوں کے جُھرمٹ میں ایک تابناک سورج کی طرح چمکنے لگتی ہے۔ جس ہستی کے اندر یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اُس پر عاشقانِ دنیا فدا ہونے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پیغمبر آخرالزماںؐ ایسی باوصف ہستی ہیں جن کے عاشق ہر وقت اُن کی اخلاقی قدروں پر سرخم کر کے اطاعت گذاری کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور اُن کی اداؤں پر مر مٹنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب کسی کے اوصاف دیکھ کر انسان مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ اس کے اندر مقناطیسی کشش کی طرح کھچاؤ پیدا کرتے ہیں اور عشق کے اس آگ میں پروانے جلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ محبت جب فروغ پاتی ہے تو محبوب کی طلب میں انسان دیوانہ ہو جاتا ہے، اسے شب و روز محبوب کے خیال میں سرفرازی اور سرشاری نصیب ہونے لگتی ہے۔ تن من اور دھن کا ہوش نہیں رہتا اور جب محبوب کا

درجہ خالق نے خود بلند کیا ہے تو عاشق اس کی رضا میں اپنی رضا، اُس کے خیال میں اپنا خیال، اس کی پسند میں اپنی پسند اور اُس کی ذات میں اپنی ذات گم کر دیتا ہے اور کمال محبت یعنی ولولہ عشق کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ عشق کی اسی کیفیت کو امیر خسرو نے یوں بیان کیا:

من تو شدم تو من شُدی من تن شُدم تو جان شُدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

عشق کی تعریف کرتے ہوئے بہت سے لوگوں نے جو قابلِ قدر روحانی یا وجدانی وضاحتیں فرمائی ہیں اُن قابل ذکر اشخاص میں سے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

المحبة دخول صفات المحبوب علی البدل من صفات المحب۔

محبت یہ ہے کہ محبوب کی صفات مُحِبّ میں داخل ہو جائیں۔

حضرت حُسین بن المنصور حلاجؒ کا قول ہے:

حقيقة المحبة قيامك مع محبوب بخلع او صافك۔

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف کو چھوڑ کر محبوب کی ذات سے قائم ہو جائے۔

حضرت ابوعبداللہ قریشیؒ نے محبت کو کچھ ایسے انداز میں بیان کیا ہے:

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبّ اپنا کُل محبوب کے سپرد کر دے اور اپنے لئے کچھ نہ چھوڑے۔

حضرت ابوعلی رودباریؒ نے محبت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

محبت یہ ہے کہ اطاعت کو اختیار کرے اور حاجت کو ترک کرے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا درجہ عطا کیا:

من يطع الرسول فقد اطاع اللّٰه۔

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

شبلیؒ کا قول ہے:

المحبة اختيار ما يحب المحبوب وان كرهته و كراهة ما يكره المحبوب وان احببت۔

محبت، اس چیز کو اختیار کرنا ہے جس کو محبوب دوست رکھتا ہے اگر چہ وہ ناپسند ہو اور اس چیز کو مکروہ سمجھنا ہے جس کو محبوب مکروہ سمجھے اگر چہ وہ چیز تجھے پسند ہو۔

عشق کی شدت سے عاشق کو بے پناہ قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہر اُس رُکاوٹ کو پاؤں تلے روند دیتا ہے جو محبوب کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ سانسیں کششِ عشق کے زیرِ نگیں ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے عشق کی قوت کو محسوس کیا تو فرمایا:

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں[۱]

علامہ اقبال کے عشق کا محور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے خالق ومخلوق اورعبد و معبود یا انائے کبیر اور انائے صغیر یا اُن کے الفاظ میں انائے مطلق اور انائے محدود کے مابین اصل رشتہ باہمی عشق اور محبت کا ہے۔اب ظاہر ہے کہ جس کسی کو عشق کی حقیقی لذّت حاصل ہوجاتی ہے وہ اس کے دوام و بقا کا خواہشمند ہوگا اس لئے بقائے عشق بقائے ذات پر منحصر ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں اُن کی زبان تر رہتی ہے اور وہ آپؐ پر درود بھیجنے میں مصروف رہتے ہیں۔علامہ اقبال کے کلام میں عشق کا بیان نمایاں ہے۔اثبات ذات اور دوام عشقِ الٰہی اُن کے فلسفہ خودی کے نمایاں اصول ہیں:

میں انتہائے عشق ہوں، تو انتہائے حُسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی[۲]

نہ ہو طغیان مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
کہ میری زندگی کیا ہے، یہی طُغیان مشتاقی[۳]

علامہ کے کلام سے یہ ظاہر ہے تو عشق الٰہی کا عکس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اس لیے یہ امر بالکل واضح ہے کہ اطاعت ومحبت دونوں کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ومحبت ہے۔یہ پیغام کلام اقبال میں جابجا نظر آتا ہے:

ہر کہ عشق مصطفی سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست[۴]

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نر رسیدی، تمام بولہبی است[۵]

حیات اقبال اس امر کی مظہر ہے کہ طریقہ محمدیؐ اقبال کی زندگی میں اس طرح سرایت کرگیا تھا کہ ایک دن کسی شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ حکیم الامت کیسے بنے،انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار درود بھیجا تم بھی درود وِردِ زبان رکھو تو تم بھی حکیم الامت بن جاؤ گے:

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی[۶]

علامہ اقبالؒ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو کائنات کا رنگ اور سرور قرار دیا ہے اور وہ اُن کی ذاتِ اقدس کو مقصودِ حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ محبت اِلٰہی کا حاصل ہی اطاعت نبویؐ ہے دوسرے لفظوں میں محبت کا حاصل نسبتِ نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو

چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے[۷]

علامہ اقبال پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ تمام تر کامیابیوں کا دار و مدار عشق رسولؐ پر منحصر ہے۔ جس ہستی کی ذات کے ساتھ محبت ہے اُس کی ادائیں یا اسوۂ حسنہ کے ساتھ محبت لازمی ہے کیونکہ ذات مقصود ہے صفات کا۔ اس لیے جس ذات کی صفات انسان کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں تو وہ ذات انسانی وجود میں سرایت کر جاتی ہے۔ دنیا نے طریقہ محمدیؐ کے ساتھ کہیں قولاً تو کہیں قولاً و فعلاً اطاعت قبول کی۔ علامہ اقبال اسی ہستی کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اور اپنی تمام تر نیاز مندیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں نچھاور کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی ساری کامیابیاں اور سرفرازیاں اس ذاتِ کریم کی بے لوث وفا داری اور محبت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ عشق رسولؐ وہ محور ہے جس کے گرد اقبال کا کلام گھومتا ہے۔ علامہ اقبال پر یہ حقیقت عیاں تھی کہ اُمت مسلمہ کی ترقی اور سلامتی عشق رسولؐ میں پوشیدہ ہے:

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رَو[۸]

اقبال نے اپنی شاعری کے ہر دور میں عشق رسولؐ کو اپنی زندگی کا رہبر مانا کیونکہ علامہ اقبال کا دل عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشن اور عقل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ کاملہ کی قائل تھی۔ علامہ اقبال کو یقین کامل تھا کہ عشق رسولؐ ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے۔ ان کی شاعری میں عشق، روح حیات اور روحِ اسلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس محبت کا اثر ہی تھا جس نے اقبال کو شاعرِ مشرق اور حکیم الامت بنا دیا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں کس طرح وضاحت کروں کہ عشق کیا ہے جس نے ایک خشک لکڑی کو بے قرار کر دیا تو ایک عاقل کی حالت کیا ہوگی:

می ندانی عشق و مستی از کجا ست؟
ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰ است[۹]

من چہ گویم از تولایش کہ چیست
خشک چوبے در فراقِ او گریست[۱۰]

اقبالؒ کی ذات میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ سب سے نمایاں اور والہانہ تھا، جب کبھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر خیر ہوتا تھا علامہ اقبال پر جذبات کی شدت طاری ہو جاتی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی بھی پہلو پر گفتگو شروع کرتے تھے تو بے خود ہو جاتے۔ علامہ کے خطوط، اشعار اور خطبات، عشق رسولؐ کے مظہر تھے۔ علامہ اقبال کو اس بات کا یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا عملاً محبت رسولؐ کا ثبوت ہے۔ آپ نے جو حد مقرر کی ہے اس سے باہر جانا یا اس پر عمل نہ کرنا عشق رسولؐ نہیں بلکہ کھلی بغاوت ہے:

شکوہ سنجِ سختیِ آئیں مَشو
از حدودِ مصطفیٰ بیروں مرو[11]

حقیقی محبت میں محبوب سے منسلک ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے جب بھی علامہ اقبال کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ اور مدینہ طیبہ کی بات چھڑ جاتی تھی تو وہ ان میں بھی اسی محبت کی حدت محسوس کرتے تھے۔ اقبال کو مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس قدر عقیدت اور محبت ہے کہ دو جہانوں پر خاکِ یثرب کو اہمیت دیتے ہیں:

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتراست
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است[12]

علامہ مرحوم کو کس حد تک مدینہ سے محبت ہے وہ اُن کے کلام سے بخوبی واضح ہے۔ اُن کو مدینہ کی خاک میں جنت اور لوح و قلم عیاں دِکھائی دیتے ہیں۔ وہ اسی خاکِ مقدس میں دفن ہونا چاہتے ہیں۔ اس آرزو کو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض یوں پیش کیا:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اقبال
اُڑا کے مجھ کو غُبارِ رہ حجاز کرے[13]

عشق رسولؐ کی طاقت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے ہر پست کو بالا کر دیا، زندگی کو متحرک کر دیا، اس نے خاموش سمندروں کے اندر طغیانی پیدا کی، برف جیسے جسموں کو حرارت اور کمزور دلوں کو ایمان کی طاقت عطا کی۔ یہ عشقِ رسولؐ کا ہی معجزہ ہے کہ اس نے مردہ ضمیروں کو جگایا اور اُن کے آنکھوں سے تاریکی کا پردہ ہٹایا۔ یہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہے جس نے خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرنے والوں کے لیے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے دروازے کھول دیئے اور خاکی کو نور سے منور کیا:

دل ز عشق او توانا می شود
خاک ہم دوشِ ثریا می شود[14]

علامہ اقبال کو جذبہ عشق رسولؐ نے وہ انداز بیان عطا کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل،

آپ کی ذات مبارکہ اور سیرت کو جس حسین پیرائے میں علامہ نے بیان کیا اس کی نظیر کم ہی ملے گی:

وہ دانائے سبل ختم الرّسول مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا
نِگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ [۱۵]

زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رہنمائی نہ فرمائی ہو دنیا میں معیشت، معاشرت، حکومت اور عدل و انصاف کے وہ زرّیں اصول بتائے کہ ان سے بہتر کوئی انسانی دماغ پیش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے آپؐ کو کائنات کا حاصل بیان کیا:

اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی [۱۶]

قرآن کریم میں واضح طور حکم دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تمام ایمان والوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ محبت اور عشق رسولؐ کے زبانی دعوے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے بلکہ زندگی عمل کا نام ہے۔ علامہ اقبال کو اس بات کا پورا پورا ادراک تھا کہ محبت عمل کا تقاضا کرتی ہے اس لئے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کا دعویدار ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بجائے غیروں کی اطاعت کرتا ہو تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ زبان سے محبت کے دعوے کئے جائیں اور عملاً دوسروں کی غلامی کی جارہی ہو۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کو چھوڑ کر دوسروں کی فرمانبرداری کر رہا ہو اور آپؐ کے اسوہ کے بجائے رسم و رواج کی پابندی کرتا ہو۔ اس طرز زندگی کو علامہ اقبال نے موت سے تعبیر کیا ہے:

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از بادِ خزاں افسردن است [۱۷]

علامہ اقبالؒ کو حُب رسولؐ وراثت میں ملی تھی وہ ایسے شخص کے اولاد تھے جو طریقہ محمدیؐ کے آئینہ میں اپنے آپ کو پہچانتا تھا۔ وہ عشقِ مصطفیٰ میں ایسے رنگے ہوئے تھے کہ اُن کو دنیا و آخرت کی کامیابی حُبِ رسولؐ میں ہی نظر آتی تھی۔ یہی وجہ ہے آخری سانس تک عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علامہ اقبال کے وردِ زبان رہا۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ جذبہ ابتدائی تربیت سے اقبال کی شخصیت کا حصہ بن گیا۔ اسرار و رموز میں علامہ لکھتے ہیں کہ جب وہ نوعمر تھے تو بحالتِ مجبوری دروازے پر سائل نے بڑی کرختگی سے ندا دی جو انہیں پسند نہ آئی۔ ڈنڈا لے کر غصّے کی حالت میں اس سائل کے سر پر مارا۔ اس نے علامہ کے والد سے شکایت کی۔ جب والد صاحب نے پورا قصہ سُنا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں اور ناراضگی کا

اظہار کرتے ہوئے کہا:

کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن ساری دنیا موجود ہو، پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور صالح لوگوں کا مجمع ہو اور اس گداگر کی شکایت پر تمہارا باپ سفید داڑھی لے کر بحیثیت مجرم کھڑا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ سے پوچھیں: اے اقبال کے والد! میں نے تیرے سپرد ایک امانت رکھی تھی کہ تو اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے تا کہ یہ صحیح مسلمان بن کر میرے سامنے پیش ہو مگر تم نے اس کی یہ تربیت کی کہ غریبوں کو ستائے۔ خدارا مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں اپنے خدا اور آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میرے ہوش اُڑ گئے اور آئندہ زندگی میں ایسی نازیبا حرکت کرنے سے توبہ کر لی اس صدمے کا نتیجہ یہ ہوا کہ والد سے رو کر معافی مانگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے رسوائی سے بچنے کا سبق اِن کے والد صاحب نے اس انداز سے دیا کہ وہ اسے عمر بھر بھلا نہ سکے۔ آخری عمر میں رب العزت کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اقبال ادب و احترام کو عشق کی پہلی کڑی قرار دیتے ہیں کیونکہ احترام اور سچائی ہی صحیح منزل تک رہنمائی کرتی ہے۔ اس منزل کا آخری پڑاؤ محبت ہے اور یہاں انسان اپنی ذات کو فنا کر کے محبوب کی اداؤں کو اپنے لیے پسند اور اُس کے طریقہ زندگی کو اپنا طریقہ قرار دیتا ہے اس طریقہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے وجود کو ابدی کامیابی سے جوڑتا ہے۔

علامہ اقبال نے محبت کے اس سمندر کو اِن دو اشعار میں قلم بند کیا ہے کہ عشق کی برکت سے عاشق کو بے پناہ قوت حاصل ہو جاتی ہے اور انفس و آفاق اس کے زیرِ نگیں ہو جاتے ہیں:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں [۱۸]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں [۱۹]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت میں پیدا کیا ہے۔ ہماری عزت و تکریم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے اس لئے ہمیں آپ کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑنا چاہیے حقیقت میں ہماری زندگی کا راز اس پاک دامن سے وابستگی میں مضمر ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویدار ہو تو وہ عمل کسی اور طریقہ زندگی پر کر رہا ہو تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا متصور ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو اپنا کر، سنت کا اتباع کر کے اور رسم و رواج کو چھوڑنے کے بعد ہی محبت رسولؐ کا اظہار بارگاہِ الٰہی میں قابل قبول ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ یا طریقہ شریعت ہے۔ مسلمان کے لیے یہی آئین ہے اور دونوں جہانوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق رسولؐ پر مرنے والے زندہ رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کے لیے جب عشق رسولؐ کے چشمے کھل گئے تو انہوں نے اپنے آپ کو اُس میں فنا کر دیا۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو امر کر دیا۔ انہوں نے قلب و روح کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور کر کے یہ دعا کی:

اے امیر خاور اے مہر منیر
می کنی ہر ذرّہ را روشن ضمیر
پرتو تو ماہِ را مہتاب داد
لعل را اندر دلِ سنگ آب داد
نرگساں صد پردہ را بر می درد
تا نصیبے از شعاعِ تو برد
خوش بیا صبح مرا آوردۂ
ہر شجر را نخل سینا کردۂ
تو فروغ صُبح و من پایانِ روز
در ضمیر من چراغے برفروز
تیرہ خاکم را سراپا نور کن
در تجلّی ہائے خود مستور کن[۲۰]

اللہ اپنے پیروکاروں سے خالص اطاعت کی توقع رکھتا ہے اور معاشرے میں ایسا نظام چاہتا ہے جو اخوت، انسانیت اور اِخلاقیات پر مبنی ہے۔ ایسے طریقہ زندگی سے انصاف اور عدل کا ماحول پیدا ہوتا ہے لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب انسان سچے دل سے اسوہ حسنہؐ پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو۔ علامہ اقبال اگرچہ عشق رسولؐ میں غرق تھے مگر ادب کا عالم یہ تھا کہ گول میز کانفرنس سے واپس آئے تو ان کے ایک قریبی

دوست کافی عرصہ کے بعد ملنے آئے۔ بعد از گفتگو کانفرنس اور اس کے احوال جاننے کے بعد عرض کیا کہ آپ یورپ سے ہو کر آئے ہو واپسی پر روضہ اطہر کی زیارت بھی کر لیتے۔ علامہ اقبالؒ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور روتے ہوئے دوست سے فرمانے لگے کہ میں شرم کے مارے نہیں گیا آخر اپنے آقاؐ کے سامنے کیا منہ لے کر جاتا۔ یہی سچے اور کھرے عشق کی علامت ہے کیونکہ عاشق جب اپنے معشوق کی محبت میں حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو اُس کو ایسا لگتا ہے کہ اسے ابھی حقیقتاً محبت کا مقام حاصل نہیں ہوا۔ ایسے ہی عالم میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

از جدائی گرچہ جاں آید بلب
وصل او کم جو رضاے او طلب[۲۱]

یہ حقیقت ہے کہ اگر انسانیت اس ضابطۂ حیات کی پابند ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تو دنیا میں لوگ محتاجی اور غلامی سے نجات ضرور حاصل کریں گے۔ اس لئے یہ امر اب عیاں ہو گیا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے عشق کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ان کے لائے ہوئے نظامِ حیات کو عملاً نافذ کر کے انسانوں کو تاریکی سے روشنی اور گمراہی سے ہدایت کی طرف لانے کی جدوجہد نہیں کرتا ہے اس کا عشق کامل نہیں ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کا دعویٰ کرنے والے مردِ مومن کا فرض ہے کہ وہ اس نصب العین کو عام انسان تک پہنچانے کے لیے اپنے منصب کا صحیح ادراک کرے تاکہ پستی میں گرے ہوئے انسان بلندیوں پر فائز ہو سکیں:

قوّتِ عِشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے[۲۲]

اقبال ملت اسلامیہ کا وقار، آبرو اور عظمت و سرفرازی صرف نسبت رسالتؐ کی بحالی قلباً اور عملاً آپؐ سے وابستگی میں دیکھتے ہیں:

در دِل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است[۲۳]

در خصومات جہاں گردد حکم
تابع فرمانِ او دارا و جم[۲۴]

عشق از سوزِ دل ما زندہ است
از شرارِ لااِلٰہ تابندہ است[۲۵]

علم و دولت نظمِ کارِ ملّت است
علم و دولت اعتبارِ ملّت است[۲۶]

حوالہ جات وحواشی

۱- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۳۵۵۔
۲- ایضاً، ص ۱۲۸۔
۳- ایضاً، ص ۳۸٦۔
۴- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۹۰۔
۵- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۵۴۷۔
۶- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۸۴٦۔
۷- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۳٦۔
۸- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۹۴۷۔
۹- ایضاً، ص ۸٦۴۔
۱۰- ایضاً، ص ۲۱۔
۱۱- ایضاً، ص ۴۱۔
۱۲- ایضاً، ص ۲۱۔
۱۳- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۱۳۲۔
۱۴- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۹۔
۱۵- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۳٦۳۔
۱٦- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱٦٦۔
۱۷- ایضاً، ص ۱۰۱۔
۱۸- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۵۵۔

۱۹- ایضاً، ص ۲۳۷۔
۲۰- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۸۰۶۔
۲۱- ایضاً، ص ۸۲۷۔
۲۲- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۳۶۔
۲۳- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۹۔
۲۴- ایضاً، ص ۲۵۔
۲۵- ایضاً، ص ۱۲۰۔
۲۶- ایضاً، ص ۱۸۹۔